حقیقتِ نفاق

منافقین کی صفات اور انکی اقسام

(۳)

از جناب مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی

دین وشریعت کا مذاق اڑانیوالے (۸) منافقین میں اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جو دینی احکام و مناسک کا مذاق اڑاتے، اسلامی عبادات کا استہزار کرتے اور خود مسلمانوں کے اوضاع و اطوار اور ان کے اعمال و کردار پر پھبتیاں کستے تھے۔ مثلاً ایک گروہ کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ:

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا۔ (مائدہ - ۹)

اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو یہ لوگ نماز کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں (اور اس کا تمسخر کرتے ہیں)

اور یہ گروہ تھا کون؟ عام کفار اور اہل کتاب نہیں بلکہ وہ کفار اور اہل کتاب جو ایمان کے مدعی تھے۔ چنانچہ آگے چل کر قرآن ان کے حالات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ (مائدہ - ۹)

اور جب یہ لوگ تم مسلمانوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں حالانکہ کفر لے کر آئے تھے اور کفر ہی لے کر گئے۔

ان کا تمسخر صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ خدا کا ہر حکم، رسول کا ہر اقدام اور قرآن کی ہر آیت ان کے لیے دل لگی کا سامان بنی ہوئی تھی۔ البتہ وہ اس کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ اُن کی ان حرکات کا راز عامۂ مسلمین پر واشگاف نہ ہوا کرے کیونکہ انہیں اجتماعی احتساب کا خوف تھا۔ اور اگر کبھی انکی یہ

شرارتیں منظر عام پر آجاتیں اور ان سے پوچھ گچھ ہوتی تو کہتے کہ وہ کوئی سنجیدہ محفل تھوڑا ہی تھی - یہ باتیں تو ہم یونہی ہنسی میں کر رہے تھے، ہمارے خلوص اطاعت اور رسوخ ایمان پر ذرا شبہ نہ کرو - سورۂ توبہ میں ان منافقوں کے اس وتیرہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے :-

"مسلمانو! یہ منافق اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ لوگ ـــــ اگر یہ واقعی مومن ہیں ـــــ انہیں (اپنی مخلصانہ اطاعت سے) راضی کریں ...... منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان (مسلمانوں) پر کوئی ایسی سورۃ نازل نہ ہو جائے جو انہیں ان (منافقوں) کے دلوں کی باتیں بتا دے - (اے پیغمبر! ان منافقوں) سے کہہ دو کہ (اچھا دین الہٰی کے ساتھ) استہزا کر لو - جس بات کا تمہیں ڈر ہے اللہ ضرور اسے ظاہر کر کے رہیگا - اور اگر تم ان لوگوں سے دریافت کرو کہ یہ تم کیسی حرکتیں کرتے ہو) تو وہ ضرور یہی جواب دینگے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور ہنسی مذاق کر رہے تھے - اے پیغمبر (ان نامراد شریروں سے) کہہ دو کہ کیا تم ہنسی مذاق کرتے ہو اللہ کے ساتھ! اسکی آیات کے ساتھ! اور اس کے رسول کے ساتھ!" (توبہ - ۸)

یہ منافق زیادہ تر قرآن کی اُن آیات کا مذاق اڑاتے تھے جن میں اللہ تعالیٰ اپنے اسرار غیب بیان کرتا ہے جن کی کنہ تک انسانی دماغ کسی طرح نہیں پہنچ سکتا - یعنی وہ آیات جنھیں قرآن نے اپنی اصطلاح میں "متشابہات" سے تعبیر کیا ہے اور جن کے متعلق اس کا ارشاد ہے کہ وہ آزمائش کے لیے اتاری گئی ہیں تاکہ جن کے دلوں میں عقل سلیم اور ایمان کا جوہر موجود ہے وہ بغیر کسی دلیل و حجت کے سر تسلیم جھکا دیں اور جن کے اندر جاہلیت اور کفر و نفاق کی بیماری ہے وہ یا تو اپنے اوہام اور رجحانات کے مطابق اس کی تاویلیں کرنے لگیں یا پھر پکار اٹھیں کہ مَاذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا (یعنی ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کا مطلب آخر کیا ہے؟) - چنانچہ سورۂ مدثر میں جہنم کی

تصویر کھینچتے ہوئے، یہ بیان کرنے کے بعد کہ اس پر انّیس ۱۹ ملائکۂ عذاب تعینات ہیں، اللہ تعالیٰ اس انّیس ۱۹ کی تعداد کی تعیین کو ایک "فتنہ" قرار دیتا ہے اور اس کی مصلحت یہی بتاتا ہے کہ مومنین خالصین کے لیے تو یہ چیز ازدیاد ایمان کا باعث ہوگی لیکن جو کافر اور منافق ہیں ان کے دل کی بیماری کا حال کھل جائیگا:۔

"اور تاکہ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور جو کھلے منکر حق ہیں، بول اٹھیں کہ ایسی بات کے بیان کرنے سے خدا کی غرض کیا ہے؟ (یہ تو کوئی معقول بات نہیں معلوم ہوتی)۔
(مدثر - رکوع ۱)

اللہ، رسول اور قرآن کے بعد اب عام مسلمانوں کے ساتھ ان کے استہزاء کی داستان سنیئے:

"یہی لوگ (یعنی یہی منافق) ہیں جو (صاحب مقدرت اور) کھلے دل سے خیرات کرنیوالے مسلمانوں پر انگلیاں اٹھاتے ہیں (یعنی ان پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں) اور جو غریب مسلمان اپنی محنت (کی کمائی) کے سوا اور کوئی مقدور نہیں رکھتے (اور جو تھوڑا بہت پا سکتے ہیں صدقہ کرتے ہیں) ان کا مذاق اڑاتے ہیں" (توبہ - ۱۰)

چشم عبرت آج کیا دیکھ رہی ہے؟ ہمارے "تعلیم یافتہ" اور "نئی روشنی" کے دلدادہ حضرات کا طرزِ عمل کیا کہہ رہا ہے؟ اگر کتاب الٰہی کا یہ ریمارک غلط نہیں ہے، جیسے ابھی بیان کیا جا چکا ہے، تو ان "مسلمانوں" کے متعلق کیا تصور کیا جائیگا جن کی "آزاد خیالی" (Free-thinking) اور "عقلیت" (Rationalism) کی ابجد ہی اذان اور نماز کے تمسخر سے ہوتی ہے، جن کے ذوق تجدد کی تسکین اسلامی صورت و سیرت پر پھبتیاں کسنے ہی پر منحصر ہے، جو قرآنی آیات کے ساتھ کھلے بندوں تمسخر کرتے ہیں، جو اپنی عقلیت کے زعم میں جن، شیطان، ملائکہ اور دوسری غیر مرئی چیزوں کی ہستی تسلیم کرنے کو وہم پرستی اور توہین عقل قرار دیتے ہیں، جو

قرآن کی بیان کی ہوئی جنت اور دوزخ کی تفصیلات پر مذاحیہ مقالے لکھتے ہیں اور جو غیب کے حقائق مجردہ کو قرآنی تصریحات کی روشنی میں دیکھ کر چلا اٹھتے ہیں کہ مَاذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا؟ اگر نزول قرآن کے وقت اس قسم کا تمسخر کرنے والے "مسلمانوں" کو منافق کہا گیا تھا تو آج جو نام نہاد "مسلمان" وہی حرکات کر رہے ہیں انہیں کیوں نہ منافق کہا جائے؟

(۹) اب تک منافقین کے جن گروہوں کا ذکر تھا وہ **مسلمانوں کے ڈر سے اظہار ایمان کرنیوالے** سب کے سب یا تو کسی مادی منفعت کی خاطر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یا اسلام اور مسلمانوں کی در پردہ بیخ کنی کرنے کے لیے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو جاتے تھے۔ لیکن ایک گروہ ایسے منافقوں کا بھی تھا جو اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور مسلمانوں کی روز افزوں طاقت و شوکت سے مرعوب ہو کر مجبوراً اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن شہادت دے رہا ہے:

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ (توبہ - ۷)

اور یہ (منافق) خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم (مسلمانوں) میں سے ہیں (یعنی اسلامی جماعت کے اندر ہیں) حالانکہ وہ تم میں سے (ہرگز) نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو بزدلے لوگ ہیں۔

یعنی جو چیز اندر سے اسلامیت کا اعلان کرا رہی ہے وہ کوئی یقین اور اذعان کا جذبہ نہیں ہے بلکہ ان کی وہ بزدلی ہے جو انھیں دہشت زدہ کر کے مجبور کر رہی ہے کہ اپنے ایمان کا اور اسلامی ملت کی پیروی کا جھوٹا مظاہرہ کریں کیونکہ انہیں خوف ہے کہ اسلامی شوکت کا یہ امنڈتا ہوا سیل بے پناہ جو تمام منکرین اسلام کو بے دست و پا کیے دے رہا ہے ایک دن انھیں بھی اپنی زد میں لے لیگا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب کبھی انھیں مسلمانوں کی طاقت و گرفت سے نکلنے کی کوئی صورت نظر آتی، فوراً وہ اسلامیت کا یہ نمائشی جوا گردن سے اتار پھینکتے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کے بعد ہی آتا ہے کہ:

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَأً اَوْ مَغَارَاتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ (توبہ - ۷)

(ان بزدل منافقوں کا جو زبان سے ایمان ایمان چلاتے ہیں حال یہ ہے کہ) اگر کوئی جائے پناہ پا جائیں یا (چھپ رہنے کے قابل) غار یا گھس بیٹھنے کی کوئی اور جگہ، تو سرکشانہ اسکی طرف دوڑ پڑیں۔

پس یہ اسلام، جس کا یہ بدکیش منافق اظہار کیا کرتے تھے، غرض اور مجبوری کا اسلام تھا، اعتراف حق اور شرح صدر کا اسلام ہرگز نہ تھا۔ قرآن حکیم ایک جگہ اور زیادہ کھلے لفظوں میں کہتا ہے کہ:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (حجرات - ۲)

بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ تم ہرگز مومن نہیں ہو۔ بلکہ یہ کہو کہ "ہم مسلمان ہو گئے (یعنی بظاہر مطیع ہو گئے ہیں) اور ایمان کا تو ابھی تمہارے دلوں میں گذر تک نہیں ہوا۔

گویا ان کے ایمان کی بنا اور علت ان کی بزدلی تھی۔ دل تو صداقت قرآنی کے منکر تھے لیکن طاقت کے خوف سے زبان اس کی صداقت کا بار بار اقرار کرتی رہتی تھی۔ یہ وقت وہ تھا جبکہ خود مسلمانوں کی اپنی حالت بھی کچھ بہت زیادہ محفوظ اور قابلِ اطمینان نہ تھی۔ وہ ہر طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ کفار و مشرکین کے ساتھ پیہم کشمکش جاری تھی جس میں کبھی مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہوتا تھا اور کبھی دشمنوں کا۔ اُس وقت یہ بزدل منافق عجب گومگو کی حالت میں تھے۔ مسلمانوں میں شریک ہوتے تو دشمنان اسلام کا خوف انھیں کھائے جاتا تھا۔ اور کفار سے جا ملنے کا ارادہ کرتے تو مسلمانوں کی طاقت سے دم نکلا جاتا تھا۔ ان کے اس اضطراب کی پوری تصویر قرآن نے چار لفظوں میں کھینچ کر رکھ دی ہے:۔

وَيَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ (منافقون - ۱)

اور یہ منافق ہر زور کی آواز پر چونک پڑتے ہیں اور

سمجھتے ہیں کہ انہیں پر کوئی آفت آ رہی ہے۔

ان نمائشی مسلمانوں کے جھوٹے ادعائے اسلام کا راز ایک اور صورت سے بھی فاش ہوا کرتا تھا اور وہ یہ تھی کہ یہ مسلمانوں پر اور پیغمبر صلعم پر احسان رکھتے تھے کہ ہم نے مسلمان ہو کر تمہاری جماعت کو تقویت دی ہے اور تمہاری تعداد بڑھادی ہے۔ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (حجرات-۲) یعنی "یہ منافق تم پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں"۔ حالانکہ اگر یہ واقعی مسلمان اور نعمت ایمانی کے قدرشناس ہوتے تو خود رسول کے احسان مند ہوتے۔

چونکہ یہ لوگ محض اسلامی سطوت کے دباؤ سے مجبور ہو کر اپنے اوپر مسلمانیت کا لبادہ سالوسی ڈالے ہوئے تھے اس لیے اندر اندر یہ مسلمانوں کے سخت بدخواہ تھے۔ ان کی خوشحالی انھیں ایک آنکھ نہ بھاتی۔ انھیں مسلسل غلبہ اور تمکن حاصل ہوتے دیکھکر ان کے کلیجوں پر سانپ لوٹنے لگتے، اور یہ دن رات اس تمنا میں رہتے کہ انقلاب روزگار کا کوئی جھونکا آئے اور ان مسلمانوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینکدے تاکہ ہم ان کی قاہرانہ گرفت کے خطرات سے بے خوف ہو کر آزادی کا سانس لے سکیں۔ قرآن میں ان منافقوں کی اس داستانِ عداوت کا کئی جگہ ذکر ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے:

"جب یہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، اور جب علحدہ ہوتے ہیں تو (تمہاری ترقی اور برتری پر) مارے جلن کے دانتوں سے انگلیاں کاٹتے ہیں .... اگر تمہارا بھلا ہوتا ہے تو انھیں رنج پہنچتا ہے اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو ان کے دل کو خوشی ہوتی ہے۔ (رکوع - ۱۲)

دوسری جگہ آتا ہے کہ:

"اگر تمہیں کوئی بھلائی نصیب ہوتی ہے تو ان (منافقوں) کو جلن ہوتی ہے اور اگر

تم (کبھی) مبتلائے مصیبت ہوتے ہو تو (کوئی جماعتی ہمدردی تو خاک نہیں ہوتی بلکہ الٹا یہ) کہنے لگتے ہیں کہ (اسی خیال سے) ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا معاملہ (ٹھیک ٹھاک) کر لیا تھا (یعنی ہم نے پہلے ہی سے احتیاط کر رکھی تھی۔ پھر یہ خودغرضانہ بات کہکر) اٹھتے ہیں اور خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں ...... اے پیغمبر! (ان کوربصروں سے) کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک (نہ ایک) کا تو انتظار کرتے ہی ہو ...... الخ" (توبہ - ۷)

"دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک کا انتظار کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ منافق ہمیشہ اس انتظار میں رہا کرتے تھے کہ دیکھیں مسلمان لڑائیوں میں فتح یاب ہوتے ہیں یا شکست کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ ان منافقوں کو سمجھا دو کہ ہمارے لیے تو فتح میں بھی بھلائی ہے اور شکست میں بھی۔ کسی صورت میں بھی ہم فلاح و سعادت سے محروم نہیں ہو سکتے۔ اگر مارے گئے تو شہادت کی ابدی زندگی نصیب ہوگی جو خوش بختی کی آخری معراج ہے۔ اگر مظفر و منصور لوٹے تو غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہونگے جس کے آگے شرف و مجد کا کوئی مقام نہیں۔ پھر ہمیں غم کا ہے کا۔ تم ہمارے حق میں جس چیز کی بھی تمنا رکھو وہی ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ غم ہو تو تمہیں ہو کہ تمہارے لیے ہر طرف ہلاکت اور بدبختی کی آگ تیار ہے۔ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا۔ (توبہ - ۷)

انتظار کرنے کو تو یہ ارباب نفاق مسلمانوں کے حق میں فتح و شکست دونوں ہی کا کرتے تھے کہ دیکھیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن کفر کا ظاہری کر و فر دیکھ کر انھیں گمان غالب یہی ہوتا تھا کہ مسلمان ہی لڑائی میں ہاریں گے اور اسی خوف سے کہ مبادا اس ہار کے تلخ نتائج ہمیں بھی بھگتنے پڑیں، وہ مختلف حیلوں بہانوں سے جہاد کی منادی سُن کر گھر بیٹھ رہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"اے پیغمبر! (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ جانے والے بدوی (اب جبکہ تم زندہ سلامت واپس آگئے ہو) تم سے کہیں گے کہ (افسوس کہ ہم بوجہ مجبوری نہ جا سکے) ہمیں ہمارے اموال اور ہماری اہل و عیال نے پھنسا رکھا تھا۔ سو ہمارے لیے خدا کے حضور میں مغفرت کی دعا فرمایئے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو در اصل ان کے دلوں میں نہیں ہیں ....

(ان نابکاروں سے) کہہ دو کہ (غلط کہتے ہو) بلکہ (تم مارے ڈر کے پیچھے رہے اور) تمہارا گمان تھا کہ پیغمبر اور مسلمان (ضرور اس لڑائی میں ہلاک ہو جائینگے اور) اپنے اہل و عیال میں کبھی لوٹ کر نہیں آنے کے .... الخ" (فتح - ۲)

قرآن کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف وہ مسلمانوں کے متعلق یہ ظن رکھتے تھے بلکہ دل میں دعائیں کرتے تھے کہ کسی طرح یہ میدان جنگ میں کھیت ہو رہیں اور ہمارے سر سے بلا ٹلے۔ سورۂ توبہ میں ہے:

"اور اکثر دیہاتی ایسے ہیں جو (اگرچہ زبان سے قرآن کی صداقت پر بظاہر ایمان لا چکے ہیں لیکن) راہ خدا میں خرچ کرنے کو مفت کا تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں کے حق میں آسمانی گردشوں کے منتظر ہیں (کہ کاش کسی آفت میں پھنس کر تم ہلاک و برباد ہو جاؤ)" (رکوع - ۱۲)

اس غرض کے لیے وہ اپنی جانی و مالی قربانیوں سے دریغ کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی روکتے تھے تاکہ امداد کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور ہر طرح سے ان مسلمانوں کو کمزور اور بے یار و مددگار کر دیا جائے۔ سورۂ منافقون میں ہے:

"یہی لوگ (یعنی یہی منافق) تو ہیں جو لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ رسول خدا کے ساتھیوں پر کچھ خرچ مت کرو کہ (آخر کار اس طرح افلاس سے تنگ ہو کر خود ہی) اِدھر اُدھر منتشر ہو جائینگے۔ (رکوع - ۱)

اسی طرح جانی قربانیوں سے بھی یہ لوگوں کو باز رکھتے تھے بلکہ بعض اوقات تو شروع میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر میدانِ جہاد میں جاتے اور جب جنگ کی آگ بھڑک چلتی تو آہستہ سے خود بھی پیچھے کھسک جاتے اور دوسروں کو بھی بھاگ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے تاکہ مسلمانوں کی ہمتیں چھوٹ جائیں اور دشمن کے حوصلے بڑھکر انھیں فنا کے گھاٹ اتار دیں۔ غزوۂ احزاب میں اس شیطنت کا پورا پورا مظاہرہ ہوا تھا، جس کا ذکر قرآن ان لفظوں میں کرتا ہے:

"اور (اے مسلمانو! یاد کرو) اس وقت کو جبکہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (شک اور تذبذب کا) مرض تھا کہنے لگے کہ خدا اور رسول نے جو ہم سے (فتح و نصرت کا) وعدہ کیا تھا وہ نرا دھوکا ہی دھوکا تھا۔ اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ کہنے لگا کہ اے اہلِ یثرب! (اب دشمن کے مقابلہ میں) تمہارے لیے ٹھیرنے کا کوئی موقع نہیں بس تم میدان چھوڑ کر واپس چلے جاؤ۔ اور ان میں سے کچھ لوگ پیغمبر سے (گھر لوٹ جانے کی) اجازت مانگنے لگے یہ کہکر کہ ہمارے گھر غیر محفوظ پڑے ہیں حالانکہ وہ گھر غیر محفوظ نہیں تھے بلکہ ان کا مقصد صرف جان چھڑا کر بھاگنے کا تھا .... (اے مسلمانو!) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان (منافقوں) کو اچھی طرح جانتا ہے جو لڑائی میں شریک ہونے سے (خود رکنے کے علاوہ دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ (لڑائی میں کہاں جان دینے جاتے ہو) آؤ ہماری طرف (امن اور بے خوفی کی زندگی گذارو)۔ (احزاب - ۲)

دوسرے مقام پر ہے:

"جو لوگ (اپنے اصرار کی وجہ سے لڑائی سے) پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ لوگ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف لڑائی سے بیٹھ رہنے پر بہت خوش ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کرنے کو انھوں نے گراں محسوس کیا اور دوسروں سے بھی کہنے

لگے کہ (ایسی بے پناہ) گرمی میں گھر سے نہ نکلنا" (توبہ - ۱۱)

غرض اشقیاء ازلی کا یہ بے ضمیر اور بزدل گروہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی میں اپنی کسی تدبیر کے استعمال سے دریغ نہ کرتا تھا۔ لیکن چونکہ خودداری سے یکسر بے بہرہ تھا اس لیے اپنے دل کے اصلی رجحانات کی پردہ پوشی میں بڑی احتیاط اور تندہی سے کام لیتا تھا۔ ہاں اللہ عالم الغیب کی راز افشائیوں کا اس کے پاس کوئی علاج نہ تھا اور ہر لحہ اسے اس امر کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں کوئی ایسی سورہ نہ نازل ہو جائے جو ہمارے باطن کو عام مسلمانوں کے سامنے کھول کر رکھ دے۔ یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (توبہ - ۸) کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس نفاق اور سازش کے خوفناک عواقب سے دوچار ہونا پڑے گا اور یہی وہ مصیبت عظمیٰ تھی جس کے لیے مکر و فریب کے افسوں نے اتنے نقاب تیار کر رکھے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ سابقہ انسانی نگاہ اور بشری فہم و فراست سے نہ تھا کہ وہ اپنی تمناؤں اور کوششوں میں کامیاب رہتے بلکہ معاملہ تھا اس علیم و خبیر سے جو انسانی دوربینوں اور عیاریوں کے مقابلہ میں عالم الغیب والشہادہ اور بشری مکر بازیوں اور کید آرائیوں کے مقابلہ میں خیر الماکرین تھا۔ اس نے ہر ہر موقع پر ان کی شرارتوں کو طشت از بام کیا اور صاف صاف اعلان کر دیا کہ:

> "کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اس خیال میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلی کینوں کو کبھی نہ ظاہر کرے گا؟ (انھیں یقین رکھنا چاہیے خدا ان کی منافقت اور پوشیدہ عداوت کو منظر عام پر لا کر رہیگا) اور اے پیغمبر اگر ہم چاہتے تو تمہیں ان لوگوں (کی باطنی تصویر) کو اس طرح دکھا دیتے کہ تم ان کی پیشانی دیکھ کر انھیں پہچان لیتے اور (یوں ہی) تم ان کے انداز گفتگو سے انہیں پہچان لیتے ہو" (محمد - ۴)

منافقین کی یہ قسم غالباً اس وقت نہیں پائی جاتی، اور اس کی وجہ بالکل عیاں ہے۔ اسلام کا سیاسی

اقتدار اور مسلمانوں کا شاہانہ دبدبہ وجلال تو اب افسانہ بنکر رہ گیا ہے جس کا ذکر تاریخ کے پرانے صفحوں سے باہر کہیں موجود ہی نہیں کہ خلافت الٰہی کے باغی اس کا خوف کھائیں اور اس قسم کی منافقانہ پالیسی اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔ اور اگر کہیں اس عمومی دورِ شکست و ریخت میں چشمِ فلک سے بچ بچا کر مسلمانوں کی کوئی حکومت قائم ہے بھی تو اس کے نزدیک دینی تصورات اور معتقدات چنداں قابل اعتنا نہیں ہیں، بلکہ ان کی جگہ اب وطنی یا نسلی یا لسانی تعصبات نے لے لی ہے، پھر اس حکومت کے زیرِ اقتدار کسی شخص کو بربنائے مذہبیت نفاق اختیار کرنے کی حاجت ہی کیا ہے؟

ضعفاء (۱۰) اب تک منافقین کی جتنی اقسام کا ذکر ہوا، وہ سب کی سب ایمان کی نعمت سے یکلخت بے بہرہ تھیں۔ ہر ایک کو کسی نہ کسی غرض اور مصلحت نے ایمان کا محض خارجی اظہار کرنے پر مجبور کر رکھا تھا۔ لیکن ان کے علاوہ ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی تھا جو منافقین کی مذکورۂ بالا اقسام کی طرح ایمان سے بالکل خالی نہ تھے، بلکہ کفر کی بہ نسبت ایمان سے قریب تر تھے۔ لیکن چونکہ انہیں شرحِ صدر کی توفیق حاصل نہ تھی اور کڑی آزمائشوں کے وقت وہ اُس عزم و ثبات سے عاری ثابت ہوتے تھے جو ایک حقیقی مسلمان میں ہونا چاہیے، اس لیے ہم تذکرۂ منافقین کے ضمن میں اس گروہ کے حالات اور اوصاف بھی روشنی میں لاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ "مسلم" کا خطاب صرف انھیں کو دیتا ہے جو ایک ہاتھ پر نقدِ جاں اور دوسرے پر نقدِ مال لیے اس کی طلبِ رضا میں ہر وقت نکلنے کو تیار ہوں۔ ضعیف القلب اور عزیمت ناآشنا لوگوں کو اللہ اپنا مطیع اور فرماں بردار (مسلم) کہنا پسند نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات تو انھیں اس نے صاف لفظوں میں منافق کہکر پکارا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ضعفاء کی شان میں قرآن کہتا ہے:

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ لیکن جب انھیں راہِ خدا میں کوئی گزند پہنچتا ہے تو انسانوں کی دی ہوئی تکلیف کو عذابِ الٰہی (کے مانند ناقابلِ برداشت) تصور کرنے لگتے ہیں۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی مدد آجائے تو یہی لوگ کہنے لگیں گے کہ

ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے۔ کیا اللہ دنیا جہان کے لوگوں کے (اسرار) قلوب سے واقف نہیں؟ اور (وہ تمہیں آزمائشوں میں ضرور ڈالے گا) تاکہ جان لے (یعنی دنیا پر ظاہر کر دے) کہ کون (واقعی) صاحب ایمان ہے اور کون منافق ہے۔[۱] (عنکبوت - ۱)

یہاں جس آزمائش کی طرف اشارہ ہے وہ ہجرت کی آزمائش ہے جو چند دنوں بعد ہی مسلمانوں کو پیش آئی۔ یہ آزمائش بھی جان اور مال کی قربانیوں کی طرح نہایت ہی سخت ہے جس میں اچھے اچھوں کی ہمتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب ہجرت کا صریح حکم آگیا تو کمزور ایمان والوں کے قدم پھسل گئے اور وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مکہ ہی میں رہ گئے۔ یہ لوگ اگرچہ خدا کو ایک مانتے تھے، رسول کو برحق مانتے تھے، قرآن کی تلاوت بھی کرتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے، اور اس لحاظ سے ملت اسلامیہ ہی میں شامل تھے، مگر چونکہ ان کا ایمان ایسا نہ تھا کہ خدا کی محبت پر اپنے گھربار اور اہل و عیال اور ملک و وطن کی محبت کو قربان کر دیتے، اور اسلام سے ان کا تعلق ایسا مضبوط نہ تھا کہ جس

---

[۱] واضح رہے کہ یہ آیات سورہ عنکبوت کی ہیں جو اس وقت نازل ہوئی تھیں جب مسلمانوں کا قافلہ ستم کدۂ مکہ ہی میں جاگزیں تھا اور دشمنانِ الٰہی کے نت نئے مظالم کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس دورِ مظلومیت میں ایسے منافقین کا ظہور کہاں سے ہو سکتا تھا جو کسی غرض اور مصلحت کی بنا پر اظہار ایمان کرتے۔ اس وقت تو اسلام سیاسی اور سماجی ہر حیثیت سے مظلوم و مقہور تھا، اس کا نام لینا ہی ہر طرح کی اذیتوں کو دعوت دینا تھا۔ لہٰذا یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہاں ان منافقوں کا ذکر مقصود ہو جنکی اقسام اور صفات کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ یہ دراصل ان کمزور مسلمانوں کا ذکر ہے۔ اور انھیں کو تغلیباً منافق کہا گیا ہے تاکہ وہ اپنے اندر سے کمزوری کا مرض دور کریں۔ جو اصحاب موسیٰ کی طرح کفار کی وحشیانہ ستم آرائیوں سے بے قرار ہو کر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے تھے۔ چونکہ اب ایک عظیم الشان قربانی کی طلب کا وقت قریب تھا (یعنی ہجرت) اس لیے خدا نے ابھی سے زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اس سورہ کا موضوع ہی ہجرت کی تمہید ہے، اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ہم آزمائش میں ڈال کر سچے اور جھوٹے مسلمانوں کو پرکھیں گے تو اس سے مراد یہی ترکِ وطن کی آزمائش ہے۔

وطن میں ان کو مسلمانوں کی سی زندگی بسر کرنے کا موقع نہ مل رہا ہو اسے چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے اور ہر اس جگہ جانے کے لیے تیار ہو جاتے جہاں وہ مسلمانہ زندگی بسر کر سکیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکو سچے مسلمانوں سے الگ کر دیا۔ انکے اخلاقی درجہ اور قانونی حقوق دونوں کو اصلی مسلمانوں سے الگ کر کے رکھ دیا۔

"اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی ان کی دوستی اور ولایت سے تمہیں کوئی سروکار نہیں جب تک کہ وہ (بھی تمہاری طرح) ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے معاملہ میں وہ لوگ (کفار کے خلاف) تم سے مدد چاہیں تو تم پر انکی مدد فرض ہے بشرطیکہ وہ گروہ جس کے خلاف وہ تم سے مدد طلب کریں پہلے تمہارے ساتھ کوئی معاہدہ نہ کر چکا ہو" (انفال - ۱۰)

دیکھیے یہاں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اندازِ بیان سے ان ضعفاء کے خلاف وہ ناگواری نہیں ظاہر ہو رہی ہے جو کامل منافقوں کے بارے میں عموماً وہ ظاہر کیا کرتا ہے، لیکن وہ صاف طور پر فرق کرتا ہے ان مسلمانوں میں جو اسلام لانے کے بعد دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اسلام کو عزیز رکھتے ہیں، اور ان مسلمانوں میں جن کے اندر اتنی اخلاقی طاقت یا اسلام کی اتنی محبت نہیں ہے کہ اس کی خاطر اہل و عیال اور گھر بار کو چھوڑ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اصل ملت اسلامیہ پہلا گروہ ہے، نہ کہ دوسرا۔ وہ اسلامی جماعت کی حیثیت سے صرف پہلے گروہ کو خطاب کرتا ہے اور دوسرے گروہ کی حیثیت اسکی نظر میں صرف یہ ہے کہ محض انکے اقرار اسلام کی وجہ سے وہ اسلامی جماعت کے ساتھ ان کا ایک گونہ تعلق تسلیم کرتا ہے۔ اور یہ "ایک گونہ تعلق" بھی کتنا حقیر ہے۔ ایمان لانے والے اور ہجرت اور جہاد کرنے والے مسلمان تو ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، مگر ہجرت اور جہاد نہ کرنے والے مسلمان اس برادری سے باہر ہیں۔ ان کے ساتھ "ولایت" کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا حق صرف اتنا ہے کہ اگر مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار ان کو ستائیں اور وہ اسلامی جماعت سے مدد مانگیں تو

اسلامی جماعت پر فرض ہے کہ ان کی مدد کرے۔ لیکن اگر کفار سے اسلامی جماعت کا پہلے سے کوئی معاہدہ موجود ہو تو اس صورت میں اسلامی جماعت اپنے ان نام نہاد مسلمان بھائیوں کی کوئی مدد نہ کریگی کیونکہ جو مسلمان اپنے ایمان پر وطن اور قبیلہ کی محبت کو قربان نہیں کرسکتے وہ اتنی قیمت نہیں رکھتے کہ ملت اسلامیہ ان پر سے اپنے معاہدات کو قربان کردے۔

یہ تو اس قسم کے کمزور ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی عمومی حیثیت ہے۔ اب رہے وہ مسلمان جو نہ صرف یہ کہ کفر کی حکومت میں کفار کے ساتھ رہتے ہیں، بلکہ کفار سے تعاون بھی کرتے ہیں؛ اور جب مسلمانوں سے کفار کا مقابلہ ہوتا ہے تو یہ ان کی فوجوں میں شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں، ایسے لوگوں کو قرآن مجید صاف الفاظ میں جہنم کی بشارت سناتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔ (النساء - ۱۴)	اُن لوگوں سے، جن کی جان فرشتے اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ (کافروں کے خوف سے علانیہ حق پرستی نہ کرکے اور پھر اس کے لیے ترک وطن نہ کرکے) اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے، فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم وہاں دنیا میں بے بس تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا خدا کی زمین

تمہارے لیے وسیع نہ تھی کہ تم (حق کی خاطر) اس میں کسی طرف ہجرت کر کے چلے جاتے (اور وہاں آزادانہ خدا کی پرستش کرتے)۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مکہ میں کچھ لوگ اسلام کا اقرار کر چکے تھے لیکن کفار قریش کے خوف سے اس کا علانیہ اظہار نہیں کرتے تھے، مشرک انہیں اپنا ہی آدمی سمجھتے رہے آخر کار جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انہیں بھی طوعاً و کرہاً مشرکوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابل آنا

پڑا۔ بعض ان میں سے مارے گئے۔ ہنگامۂ کارزار فرو ہونے کے بعد جب ان کی نعشیں پہچانی گئیں تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے بھائی تھے، صرف کافروں کے مجبور کرنے سے جنگ میں شریک ہوئے تھے، آؤ ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کریں۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ جس مدعی ایمان نے استطاعت رکھتے ہوئے اپنی متاع ایمانی کی حفاظت کے لیے وطن کی محبت کو قربان نہ کیا اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اسے مومن اور مسلم کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔

ایک موقع پر اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:-

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله (ابوداؤد۔ کتاب الجہاد)

جو شخص مشرک کے ساتھ مل جل کر رہا وہ بھی اسی کے مانند ہے۔

دوسری جگہ حضور نے اور زیادہ کھلے لفظوں میں فرمایا ہے کہ:

انا برئ من كل مسلم بين ظهر انى المشركين

میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکوں کے درمیان زندگی بسر کر رہا ہو۔

غرض ایک مومن کامل کے لیے کسی ایسے ماحول میں ایک سانس لینا بھی جائز نہیں جہاں ہر طرف سے شرک و کفر اور ظلم و فسق کی فرمانروائی اسے گھیرے ہوئے ہو، اور اس ماحول میں وہ خدا کی شریعت پر پورے طور سے عمل پیرا نہ ہو سکتا ہو۔ جو شخص ایسے ماحول میں بلا کسی مجبوری کے زندگی ختم کر رہا ہو اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں۔ مسلمان کے لیے سلامتی ایمان کی بس یہی صورت ہے کہ یا تو اس ماحول سے نکل جائے، یا اگر کوئی ملجا و مامن نہ رکھتا ہو تو اس سے لڑنے اور اس کو بدلنے کی کوشش میں جان دیدے۔

انھیں ضعفاء کی صف میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو جہاد کی منادی سن کر بیٹھے رہتے تھے

قرآن ان کو بھی منافقین میں شمار کرتا ہے اگرچہ وہ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، حج اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے تھے۔

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ (ابھی لڑائی سے) اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (یعنی سرِ دست محض) نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ (سو یہ احکام تو وہ بخوبی ادا کرتے رہے) مگر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ آدمیوں سے (یعنی دشمنوں سے جو بہر حال انہیں جیسے انسان تھے) اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا خدایا! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ ہمیں تھوڑی مہلت اور کیوں نہ دی......" (نسار - ۱۱)

دیکھو یہاں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ یہ لوگ قرآنی احکام و نواہی سے بالکلیہ منحرف نہیں تھے بلکہ نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی اور ایسے ہی دوسرے احکام کے بجالانے میں دوسرے مسلمانوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ لیکن جب لڑائی کا وقت آتا تو وہ میدان جنگ کے خوفناک مناظر اور مصائب کا تصور کر کے کانپ اٹھتے اور ایمان کی کمزوری دلوں سے نکل کر چہروں پر جھلکنے لگتی۔ غزوۂ احد میں کسی طرح طوعاً و کرہاً یہ لوگ بھی میدان جنگ تک پہنچ گئے تھے جب تک مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا یہ مطمئن رہے۔ مگر جب کفار کا پہلو غالب ہونے لگا، اور لشکر اسلام میں انتشار برپا ہوا تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے:۔

"انہیں بس اپنی جانوں ہی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اللہ کے متعلق ناروا اور جاہلیت کے زمانہ کا سا گمان کر رہے تھے۔ کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے؟ اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ سارا اختیار تو اللہ کے ہاتھ ہے۔ (اے پیغمبر محض یہی نہیں بلکہ) وہ اپنے دلوں میں اور باتیں بھی چھپائے ہوئے ہیں جسے صاف صاف ظاہر نہیں کرتے۔ دل میں کہتے ہیں کہ

اگر ہمارا اختیار ہوتا تو (نہ ہم یہاں آتے اور) نہ مارے جاتے ......" (آل عمران - ۱۶)

غزوۂ تبوک کے وقت بھی، جس میں بڑے سخت معرکہ کا اندیشہ تھا، اس جماعت نے یہی پارٹ ادا کیا۔ جب اعلان ہوا کہ سب لوگ جہاد کے لیے نکلیں تو یہ لوگ جی چرانے لگے۔ خدا کی عتاب آیا:

"اے ایمان والو! (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے راہِ خدا میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو زمین تمہارے پاؤں پکڑ لیتی ہے۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر (صرف) دنیا کی زندگی پر قانع ہو؟......" (توبہ - ۶)

کچھ تہدید آمیز تلقین کے بعد پھر انھیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

"اگر کوئی قریبی فائدہ اور متوسط درجہ کا سفر ہوتا تو یہ لوگ تمہارا ساتھ ضرور دیتے، لیکن یہ مسافت انھیں بہت دور کی معلوم ہوئی (اس وجہ سے تمہاری دعوت جہاد سن کر باہر نہیں نکلے)، اور جب بعد میں تم اس کا سبب پوچھو گے تو قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یہ لوگ (اپنی اس روش سے خود) اپنے تئیں ہلاک کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اے پیغمبر تمہیں اللہ تعالیٰ معاف کرے، تم نے انھیں پیچھے رہ جانے کی اجازت کیوں دی؟ .... پیچھے رہ جانے کی اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو (در اصل) اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے[1] اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ اپنی اس حالتِ شک میں حیران ہیں (کہ کیا کریں کیا نہ کریں)۔" (توبہ - ۶)

[1] سورۂ توبہ کی جن آیات کا ترجمہ اوپر نقل کیا گیا ہے ان پر ایک نگاہ ڈال کر پھر غور کرو۔ پہلے تو ان لوگوں کو "یاایہا الذین آمنوا" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ پھر آگے چل کر انھیں کے متعلق یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ "پیچھے رہ جانے کی اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔"
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶۰ پر دیکھیے)

یہ ایک مکمل تصویر ہے ان ضعیف الایمان لوگوں کی جو محض نماز روزہ سے آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ ہمیشہ تن آسانی اور سکون و عافیت کے جویا رہتے اور جب لڑائی کا وقت آتا تو کہتے کہ لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (گرمی بڑی شدید ہے اس وقت لڑائی کے لیے نہ نکلو) لیکن اللہ تعالیٰ بار بار انھیں متنبہ کرتا ہے کہ اس امن کوشی اور تن آسانی کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ اگر اس سورج کی گرمی سخت ہے تو یاد رکھو کہ دوزخ کی گرمی اس سے کہیں سخت تر ہے (قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا) اس طرح جی چرا کر تم کوئی اپنا بھلا نہیں کر رہے ہو بلکہ درحقیقت اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو۔ (باقی)

بقیہ حاشیہ ص ۴۵۹۔ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ ان دونوں آیتوں پر غور کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ نہ تو بالکل کافر اور حقیقی منافق تھے نہ کامل مسلمان۔ یعنی پہلے جو انھیں ایمان والو کہکر خطاب کیا گیا ہے وہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سرحد اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اگرچہ بالکل کنارے ہی کھڑے ہیں۔ اسی طرح دوسری جگہ جو "لا یومنون" فرمایا گیا ہے وہ اس بات کا اعلان ہے کہ ان کے دلوں میں ایمان خاطر خواہ ابھی اترا نہیں ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے قرآن کہتا ہے کہ:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔ (النساء۔ ۲۰)

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ۔

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ کمزور ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایمان والے کہکر خطاب کرتا ہے ورنہ جو راسخ الایمان ہیں ان سے ایمان لانے کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔

دراصل یہ قرآن کا ایک عام اسلوب بیان ہے کہ وہ ایک فعل کے مختلف مدارج قرار دے کر کبھی تو اسکے ابتدائی درجے کا لحاظ کر کے اس فعل کو استعمال کرتا ہے اور کبھی انتہائی درجہ پیش نظر ہوتا ہے۔ گو ہر مقام پر لفظ ایک ہی ہوتا ہے لیکن سیاق و سباق کلام اس کے معنی کی تعیین کرتا ہے۔ آیات مذکورہ بالا میں لفظ "ایمان" کے دو مختلف استعمالات میں یہی نکتہ پنہاں ہے۔